عالم اسلام نے مغرب کو پہچاننے کا سنہری موقع ضائع کر دیا

دینی مفکرین آزادی اظہار رائے کے سنہری جال سے نہ نکل سکے

اسلامی تحریکوں کا المیہ یہ ہے کہ وہ مغربی فکر و فلسفے کی نظریاتی بنیادی، فلسفیانہ اساس، تاریخ، تہذیب، ثقافت سے علمی طور پر بہت کم واقف ہیں۔ مغربی نظام زندگی پر ان تحریکوں کی تنقید نظریاتی ہے علمی اور عملی نہیں سیاست ،معیشت، معاشرت میں یہ تحریکیں مغربی تصور علیت کے مماثل تصور رکھتی ہیں ان امور میں مغرب اور اسلامی تحریکوں میں کوئی اختلاف، تضاد اور تصادم نہیں ہے۔ لہٰذا مغربی اقدار روایات تاریخ کو غیر اقداری [value nutral] تصور کر کے مغرب کی اصطلاحات اور اداروں کی اسلام کاری کرتے ہوئے ڈیولپمنٹ پروگریس، غیر سودی بنکاری سوشل ویلفیئر، کارپوریٹ سیکٹر، اسٹاک ایکسچینج، وغیرہ کو فطری ادارے، فطری اصطلاحات اور فطری تاریخ سمجھ کر برتتے ہیں جبکہ یہ تمام اصطلاحات اور ادارے غیر فطری ہیں یہ خاص مابعد الطبعیات علمیات اور کونیات سے برآمد ہوئے ہیں جسے مختصراً سرمایہ داری کہا جاسکتا ہے مغرب کا اصل مذہب دین عقیدہ نظریہ ''سرمایہ داری'' ہے یہی مغرب کا اصل نظام زندگی ہے جس کا بنیادی عقیدہ Freedom ہے فریڈم کا ترجمہ آزادی نہیں کیا جاسکتا اس کا ترجمہ مادر پدر آزادی بھی نامکمل، غلط اور ادھورا ترجمہ ہے۔ مغرب آزادی کے فروغ کی راہ میں رکاوٹ کو برداشت نہیں کرتا مذہب اور مذہبی شخصیات کو وہ آزادی کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتا ہے۔ اس کا کلمہ ہے لا الـــــہٰ الا الانســـــان انسان کے سوا کوئی الہٰ نہیں ہے وہ الوہیت انسانی کا قائل اور انسان کو رب سمجھتا ہے لبرل ازم، سوشل ازم، سیکولر ازم، ہیومن ازم، کیپٹل ازم، کمیونی ٹیرین ازم نیشنل ازم، سب الوہیت انسانی [انسان خدا ہے] کے قائل ہیں یہی ان کا مشترکہ فلسفہ اور مشترکہ اساس ہے لیکن اس عقیدہ کے مضمرات الگ نکلتے ہیں ایک گروہ حقوق انسانی کی بات کرتا ہے دوسرا پرولتاریہ کا قائل ہے، تیسرا قومی ریاست کا لیکن ان اختلافات کے باوجود جو اصلاً سرمایہ داری کی تشریح کے اختلافات ہیں ان تمام ازموں کا طرز زندگی، نظام زندگی، شب و روز میں کوئی فرق نہیں ہوتا ان کے تصور خیر و شر یکساں ہیں طریقہ کار الگ ہیں۔ یہ تمام ازم سرمایہ داری کے تشریحی

مکاتیب فکر ہیں۔

اس بنیاد پر ہم قوم پرستی لبرل ازم، ماڈرن ازم، کو نظام زندگی نہیں کہتے بلکہ صرف اور صرف کیپٹل ازم سرمایہ داری کو نظام زندگی کہتے ہیں یہ وہ نظام ہے جو سترہویں صدی میں عیسائیت اور کلیسا کے ملبے سے برآمد ہوا۔ اس نے ایک خاص قسم کا انسان خاص قسم کا تصور کائنات اور خاص قسم کا تصور زندگی دیا جو پوری دنیا میں رفتہ رفتہ نافذ ہو رہا ہے غالب ہو رہا ہے اور اس کی مخالفت برائے نام رہ گئی ہے۔

سرمایہ داری کے طوطے کی جان بنیادی حقوق کے منشور میں محفوظ ہے اس منشور کو اسلامی تحریکوں نے فلسفیانہ بنیادوں پر سمجھنے کی کوشش نہیں کی جس کے باعث وہ یہ سمجھتی ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام زندگی ہی فطری طریق زندگی ہے اس کا عروج و ارتقاء فطری ہے عقل کا تقاضہ بھی سرمایہ داری ہے اور فطرت کا تقاضہ بھی سرمایہ دارانہ نظام ہے جبکہ یہ تصور باطل ہے سرمایہ داری غیر فطری نظام ہے۔ یہ آفاقی نظام نہیں ایک تاریخی چیز ہے جو خاص تاریخ تہذیب معاشرے ثقافت سے نکلی ہے اس کی تفہیم کے بغیر سرمایہ داری کو سمجھنا محال ہے۔

سرمایہ داری کے ارتقا سے پہلے عیسائیت غالب تھی۔ سینٹ آگسٹن نے Kingdom of God اور Kingdom of man کے تصورات کے ذریعے دو دنیاؤں کی تفریق کا تصور پیش کیا۔

خدا کی بادشاہت اور بادشاہ کی بادشاہت میں امتیاز کیا گیا کیوں کہ عیسائیت کے پاس شریعت نہیں تھی لہٰذا رومی قانون کو عیسائیت نے بعض ترامیم تبدیلیوں کے ساتھ قبول کر لیا اس ریاست میں حق حاکمیت عیسائیت کے پاس رہا لیکن حاکمیت کے اصول رومی قوانین سے اخذ کیے گئے اور ان کی تصدیق کلیسا کے ذریعے کی گئی اس طرح اس دوئی کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی جو عیسوی شریعت کی عدم موجودگی کے باعث پیدا ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود عیسائیت کا مقصد دنیا میں اللہ کی حاکمیت کا قیام تھا انجیل میں Lord's prayers اس مقصد کی بلیغ ترین تشریح ہے۔ رومن ایمپائر سے ہولی رومن ایمپائر تک کا سفر ایک تاریخ کا سفر ہے تاریخ کے ان مرحلوں میں Church Fathers کے مباحث اور عیسائیت کی تحدیدات کے باوجود مرکزی نکتہ یہی رہا کہ کلیسا یہ دیکھے گا کہ ریاست معصیت پھیلانے کا سرچشمہ تو نہیں بن رہی لہٰذا رومۃ الکبریٰ میں معاصی کے فروغ کی اجازت نہیں تھی کیتھولک سے پروٹسٹنٹ مذہب تک اور قومی کلیساؤں کے قیام تک سرمایہ داری کی تاریخ ایک خوں چکاں تاریخ ہے جس کے مطالعے سے بنیادی حقوق انسانی کے پس پشت فلسفے کی خونی کہانی سمجھی جا سکتی ہے۔ Tony کی کتاب Religion and Rise of Capitalism اور میکس ویبر کی کتاب Capitalism and Protestant ethics اس سفر کی داستان سناتے ہیں کہ عیسائیت کس طرح سرمایہ داری کی خادم بنی اور مذہب اور سرمایہ داری کے درمیان کشمکش کن کن مرحلوں سے گزری بیرنگٹن مور کی کتاب social organs of dictatorship and Democracy, Lord and and peasent in the making of the modren world ہمیں سرمایہ داری کے سفر کی منازل سے آگاہ کرتی ہے۔

ڈنمارک میں رسول اللہؐ کے توہین آمیز خاکوں کی سازش نے عالم اسلام کے لیے سنہری موقع فراہم

کیا تھا کہ وہ مغربی قدروں کی آفاقیت کی حقیقت سے واقف ہوجائے اور آزادی اظہار رائے کی حقیقت کو جان لے جسے عالم اسلام نے ایک اسلامی آفاقی قدر کے طور پر قبول کیا لیکن خاکوں نے اس آفاقی قدر کے چہرے سے نقاب اتار دی لیکن عالم اسلام کا کوئی مفکر ایسا نہ تھا جس نے بنیادی حقوق کے فلسفے کو رد کر کے اور آزادی اظہار رائے کو ایک شیطانی اور کافرانہ طرز خیال قرار دینے کا اعلان کیا ہو یہ عالم اسلامی کی ذہنی مفلسی کا اعلامیہ ہے انسانی حقوق کے منشور پر جبراً دستخط کرائے گئے ہیں۔تاسف کی بات ہے کہ آزادی اظہار رائے کے شیطان کی اصل حقیقت اصغر علی انجینئر جیسے جدیدیت پسند سیکولر مفکر کی سمجھ میں آ گئی اسلامی مفکرین اس فہم سے قاصر رہے۔ان کا موقف ملاحظہ کیجیے:

DANISH CARTOONS AND MUSLIMS

Is it really matter of freedom of opinion or something else, which is not spelt out? If one examines things closely it will become obvious that there is much more than freedom of press or even freedom of conscience. It is a multi-layered and multi-causal phenomenon. It would be really simplistic to reduce it to freedom of press though it might appear to be so. We would like to throw some light on this.

One cannot deny that throughout Western World there is tension between Westerners and Muslims. In every European country Muslims are seen as not only outsiders but also as a menace, a threat, to their values and their culture. In many countries this tension is quite palpable and in some countries it remains subdued. The fact is that for Western World pluralism is a very new phenomenon and they are finding it very hard to digest it. Their democracy has been monolingual, mono-religious and mono-cultural.

For Asians, on the other hand, pluralism has been the way of life. They have lived and co-existed with different religions harmoniously. Even in the absence of political democracy tolerance towards other religions and cultures has been their way of life. We do not find bloodshed in Asian countries between followers of different religions throughout medieval ages.

In the West, on the other hand, though there has been political democracy and tolerance for political differences, its record on religious and cultural tolerance has not been very glorious.

Below the skin they remain mono-religious and mono-cultural.

There is one more dimension to this problem. West has never been very comfortable with Islam and Muslims. It was always seen as a religion of the alien, and hostile alien, at that. France with all its democratic and secular values interpreted secularism within a very narrow French framework, it became very uncomfortable with hijab worn by school girls and at last the Central Government banned it. How the hijab worn by schoolgirls could be a threat to French secularism, we fail to understand. In fact hijab was only a symbol.

There is yet another factor: these Asian and African migrants soon realized they are condemned to remain on margins of Western Society. They do not get opportunities for better and well-paid jobs.

The events of 9/11 have only aggravated the whole situation. Be it Salman Rushdie affair or the cartoons published in the Newspaper of Denmark, it is part of same phenomenon. Deep prejudices against Islam and Muslims spring up in different forms and are defended in the name of press freedom.

As pointed out above when west with all its progress has not been able to shed its prejudices and hostile perceptions, how can one expect it from the Islamic world? Asghar Ali Engineer [Secular Perspective Feb-16-28, 2006]

اصغرعلی انجینئر بنیادی حقوق کی حقیقت فلسفیانہ بنیادوں پر نہیں بلکہ مغرب کی عملیت کے ذریعے سمجھ رہے ہیں لہٰذا یہ مغرب کی نامکمل تفہیم ہے۔

مغربی فکر و فلسفے میں بنیادی حقوق کو خاص مقام حاصل ہے۔ یہ حقوق کس تہذیب، تاریخ اور ثقافت سے برآمد ہوئے؟ اس پس منظر کو نظر انداز کر کے ہمارے مذہبی دانشور انھیں حقوق العباد سمجھ رہے ہیں جب کہ عبد

اور انسان میں بنیادی نوعیت کا فرق ہے۔عبدیت خدا کے وجود کا اقرار اور انسانیت [Humanism, Human, Huminity, Human Right] اپنے آپ کو خدا قرار دینے کا فلسفہ ہے۔اس کافرانہ فلسفے کی تفصیل ساحل کے شمارہ مارچ، اپریل اور مئی ۲۰۰۵ء میں روایت وجدیدیت کی کشمکش کے عنوان سے تین قسطوں میں پیش کی گئی ہے۔ ہمارے مذہبی دانشوروں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ بنیادی حقوق کا منشور امریکی صدر روز ویلٹ کی اہلیہ ایلینا روز ویلٹ کے قلم سے تحریر کیا گیا، انھیں یہ بھی نہیں پتہ کہ بنیادی حقوق کے منشور سے پہلے امریکی اخبارات میں آئینی مباحث پر زبردست بحث چھیڑی گئی جو فیڈرلسٹ پیپر کے نام سے مشہور ہے جن لوگوں کو ان حقائق کا سرے سے کوئی علم نہیں، وہ بنیادی حقوق کے حق میں اسلام قرآن وسنت سے غلط سلط دلائل کا انبار لگا رہے ہیں۔ بنیادی حقوق کے بارے میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لی جائے کہ حقوق انسانی کے منشور میں دیے گئے عام حقوق مطلق ہیں۔اس میں کوئی If اور But نہیں ہے۔ یہ مغربی ایمانیات اور عقائد کا حصہ ہیں، اس میں کسی قسم کی کمی بیشی کی اجازت نہیں مثلاً جمہوریت کے بنیادی فلسفے کے تحت آپ جمہوری عمل میں حصہ لے سکتے ہیں جمہور کی رائے سے منتخب ہوسکتے ہیں لیکن آپ کو اس بات کا حق حاصل نہیں کہ آپ جمہور کی رائے سے جمہوریت کو مسترد کردیں۔منسوخ کردیں کیونکہ جمہوریت ایمان عقیدے دین مذہب کا درجہ رکھتی ہے۔اس سے انکار، ارتداد ہے جس کی سزا موت ہے۔لہٰذا دنیا میں جہاں جہاں جمہوری حکومت نہیں ہے یا امریکہ کی مرضی کے مطابق نہیں ہے۔ وہاں وہاں فوج کشی، سازش، تختہ الٹنے کے حادثات عام ہیں۔ دنیا کے کسی بھی ملک میں جمہوریت قائم کرنے کے مطالبہ کا صرف ایک مطلب ہے کہ وہ ملک عالمی استعماری مقاصد کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہے۔ یونان اور جدید مغرب کی جمہوریت میں یہی بنیادی فرق ہے۔ یونان کی جمہوریت مطلق جمہوریت تھی، اس میں اس بات کا حق حاصل تھا کہ کثرت رائے سے کوئی بھی فیصلہ تبدیل کردیں یا نئی رائے قائم کرلیں کیونکہ وہاں جمہوریت ایک سیاسی طریقہ کار تھا، جمہوریت مذہب، دین، ایمان اور عقیدے کا مسئلہ نہیں تھا لہٰذا اس میں تبدیلی تغیر کا ہر لمحہ امکان موجود تھا۔اس کے برعکس مغرب میں جمہوریت دین اور عقیدہ ہے اس سے انکار کی سزا قتل ہے۔جن ملکوں میں غیر جمہوری حکومتوں کو برداشت کیا جارہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ممالک بغیر جمہوریت کے استعماری مقاصد کی تکمیل زیادہ بہتر طریقے پر کر رہے ہیں اور اگر وہاں جمہوری عمل کو نافذ کیا گیا تو استعمار دشمن عناصر کو کامیابی حاصل ہوسکتی ہے اور استعمار دوست حکومتیں کمزور ہوسکتی ہیں۔ لہٰذا وہاں غیر جمہوری حکومتوں کو برداشت کرنا ضروری ہے تاکہ سرمایہ داری کو کوئی خطرہ نہ پہنچے، اگر جمہوریت کسی مرحلے پر سرمایہ داری کے لیے خطرہ بننے لگے تو ایسی جمہوریت کا خاتمہ مغربی استعمار کا خاص طریقہ ہے۔ مثلاً الجزائر، ترکی، لاطینی امریکہ وغیرہ وغیرہ جمہوریت کی طرح مغربی فلسفے کے تحت ہر شخص کو اظہار رائے کی آزادی حاصل ہے لیکن کسی شخص حکومت ادارے کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ کثرت رائے یا اتفاق رائے سے آزادی اظہار رائے کے فلسفے کو رد کردے، تسلیم کرنے سے انکار کردے، اسی طرح آزادی Freedom ایمانیات وعقائد کا حصہ ہے۔ ہر شخص کو آزاد ہونے، زیادہ سے زیادہ آزاد ہونے کی مکمل آزادی ہے لیکن کسی حکومت، شخص، جماعت، تنظیم کو اس بات کی آزادی حاصل

نہیں کہ وہ آزادی کا حق استعمال کرتے ہوئے آزادی سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کرے، یا مغربی تصور آزادی کو قبول کرنے سے انکار کردے خواہ اس ملک کے سو فیصد عوام کی حمایت اسے حاصل ہو۔ بنیادی حقوق کے منشور میں شامل تمام شقیں آزادی، جمہوریت، مساوات آزادی رائے مغربی ایمانیات کا اساسی حصہ ہیں، اس میں مغرب کسی قسم کے ترمیم وتغیر کو قبول نہیں کرتا۔ آزادی، آزادی اظہار رائے مساوات جمہوریت ان تمام حقوق اور فلسفہ کا مقصد صرف اور صرف حرص وحسد میں اضافہ یعنی دوسرے لفظوں میں سرمایے کی بڑھوتری ہے۔ یہ تمام حقوق اور فلسفے اس بات کی ضمانت ہیں کہ سرمایہ کا حصول ہر قیمت پر جاری رکھا جائے۔ اس راستے میں انسانی حقوق کو کب محدود کیا جائے؟ کب لامحدود رکھا جائے؟ اس فیصلہ کا حکمت عملی کے اصولوں سے تعلق ہے۔ مثلاً یورپ کے سات ملکوں میں ''ہولوکاسٹ'' کے مظالم کے خلاف تنقید، یا اس کے اعداد وشمار پر اعتراض، یا اس کا انکار سنگین جرم ہے جس کی سزا بھی ہے، اس قانون کا مطلب یہ نہیں کہ مغربی فکر وفلسفے میں مذہب اور مذہبی اقدار وروایات کو تحفظات حاصل ہیں بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ یہودیت، صیہونیت اب کوئی مذہب نہیں بلکہ یہ سرمایہ داری کی ایک شکل ہے، یہودیت ایک قومیت ہے اور قومیت سرمایہ داری کا سب سے زبردست کل پرزہ ہے، یہودیت عالمی سرمایہ داری کے غلبے میں سب سے محرک عامل ہے۔ لہٰذا سرمایہ داری کا مفاد اسی میں ہے کہ اس متحرک ترین عامل کے مفادات کو ہر قسم کا تحفظ مہیا کیا جائے تاکہ یہ عنصر سرمایہ داری کو تحفظ فراہم کرے۔ لہٰذا مغرب میں یہودیت کے تحفظ کے قوانین سے یہ سمجھنا کہ وہاں توہین رسالت کے تحفظ کے قوانین بھی بنائے جاسکتے ہیں۔ فلسفہ مغرب سے ناواقفیت کا سبب ہے۔ مغرب میں رسالت مآبؐ اور اسلام کے تحفظ کے لیے قوانین اس لیے نہیں بنائے جاسکتے کہ اسلام کی مذہب اقدار روایات سرمایہ داری کی روایات حرص وحسد کو تہس نہس کرتی ہیں لہٰذا اسلام سرمایہ داری کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ جب کہ یہودیت سرمایہ داری کی سب سے بڑی حلیف ہے نوبل انعام یافتہ جرمن مصنف گنتھر گراس نے بتایا کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران یہودیوں کے خلاف ایسے ہی خاکے شائع کرنے والے جرمن اخبار کے مدیر کو جنگ کے خاتمے کے بعد اتحادی افواج نے پھانسی دے دی تھی لیکن اب اتحادی افواج ڈنمارک کے کارٹونسٹ کو پھانسی دینے کے لیے تیار نہیں، کیونکہ اسلام سرمایہ داری کا حلیف نہیں دشمن ہے۔ اس اصول کے تحت مغربی ممالک میں حضرت عیسیٰ کی توہین بھی جرم ہے کیونکہ عیسائیت سرمایہ داری کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے بلکہ وہ خود سرمایہ داری کی مذہبی شارح بن چکی ہے۔ خصوصاً پروٹسٹنٹ چرچ اور چرچ آف انگلینڈ سرمایہ داری کے زبردست حلیف ہیں۔ رومۃ الکبریٰ کے زوال کے ساتھ عیسائی بحیثیت امت زوال پذیر ہوگئے۔ سترہویں صدی میں قومی کلیسا وجود پذیر ہوئے اور عیسائیت نے امت سے قومیت کا سفر طے کیا۔ قوم پرستی سرمایہ داری کی اصل حلیف ہے لہٰذا قومی کلیسا بھی سرمایہ داری کے حلیف اداروں کے طور پر سامنے آئے۔ لہٰذا روایات کے تحفظ کے لیے بنائے گئے مذہبی قوانین اصلاً سرمایہ داری کے حلیف عامل کے تحفظ کا اعلان نامہ ہیں۔ جہاں جہاں دنیا میں جمہوریت کے سوا کوئی نظام حکومت ہے اسے امریکہ اپنے مفادات کے تحت برداشت کرتا ہے۔ مثلاً انڈونیشیا میں سوئیکارنو مصر میں سادات، ترکی اور الجزائر میں فوج کی حاکمیت واقتدار کو بخوشی برداشت کیا جاتا ہے کیونکہ ان کا

اقتدار سرمایہ دارانہ نظام کی راہ میں رکاوٹ نہیں پیدا کرتا جہاں جمہوریت سرمایہ داری کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے وہاں جمہوریت کا متبادل فوج بن جاتی ہے، جب فوج جمہوریت کی متبادل نہ رہے تو فوراً جمہوریت کے نام پر عوام کی آزادی، انتخابات، سیاست کی خوش کن راہیں بتائی جاتی ہیں۔ سرمایہ داری کے عقائد کا مقصد سرمایہ داری کی عقلیت یعنی حرص وحسد کی عمومیت کو راسخ اور نافذ کرنا ہے۔ اس عمل کی راہ میں سب سے شدید مزاحمت مذہبیت پیدا کرتی ہے۔ اور خصوصاً اسلامی مذہبیت جو طاقت قوت، اقتدار اور حکومت پر یقین رکھتی ہے۔ لہٰذا اسلامی مذہبی اقدار کی تضحیک وتوہین مذہبی اشخاص اداروں روایات کا تمسخر، تحقیر، تذلیل سرمایہ داری کے فروغ کا بنیادی طریقہ تقاضہ اور مطالبہ ہے۔ اسلامی مذہبیت، مذہب اور مذہبی آدمی سرمایہ دارانہ معاشرے، سرمایہ دارانہ شخصیت، سرمایہ کے پھیلاؤ، وسعت، سرمایہ داری کی دو لازمی خصوصیات حرص وحسد کی راہ میں سنگین رکاوٹ کھڑی کرتے ہیں۔ مذہب کونیات [cosmology] کے ذریعے شخصیات کے مراتب کا نظام پیش کرتا ہے جو مغربی فلسفہ مساوات کا رد ہے۔ مذہب متقی اور فاسق و فاجر شخص میں فرق کرتا ہے جس سے مساوات اور جمہوریت کے فلسفے کی نفی ہوتی ہے۔ مذہب وحی الٰہی کو علم کا ماخذ تسلیم کرتا ہے جس سے بنیادی حقوق کی عمارت تہس نہس ہو جاتی ہے۔ مذہب کی ان بندشوں کے باعث معاشرہ کی ثقافت میں تبدیلی کا عمل رک جاتا ہے لہٰذا جب تک لوگ مذہب کی تذلیل، مذہبی اقدار وروایات وشخصیات کی توہین، رسوائی برداشت کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔ اور برداشت کی یہ صلاحیت حاصل نہ کرلیں۔ اس وقت تک سرمایہ دارانہ معاشرہ قائم نہیں ہوسکتا۔ سرمایہ دارانہ شخصیت ظہور نہیں کرسکتی اور مساوات آزادی، آزادی اظہار رائے اور جمہوریت کے پودے اس مذہبی فضاء میں برگ وبار نہیں لاسکتے۔ لہٰذا سب سے پہلا حملہ مقدس مذہبی شخصیات اور مذہبی کتابوں پر ہوتا ہے۔ جب لوگ ان شخصیات وکتابوں کو آزادی اظہار رائے کی آڑ میں ہدف تنقید وملامت بنالیتے ہیں تو پھر رفتہ رفتہ مذہب سے آزادی کی منزل خود بخود قریب تر آجاتی ہے لہٰذا مغربی فلسفے سے ناواقف نادان مذہبی مفکرین یہ فرمارہے ہیں کہ مذہبی شخصیات، مذہب مقدس اقدار کی توہین بنیادی حقوق کی توہین ہے، خلاف ورزی ہے اور عالمی استعمار بنیادی حقوق کے فلسفے کی خلاف ورزی کررہا ہے۔ یہ ایک غلط استدلال ہے۔ مذہب کو گالی دینا مذہبی شخصیات کو رسوا کرنا بنیادی حقوق کے فلسفے کی سچی صحیح اور حقیقی تصویر ہے۔ یہی بنیادی حقوق کی روح ہے۔ یہی اس کا اصل چہرہ ہے۔ کارٹون بنیادی حقوق کی نفی نہیں ہیں۔ بلکہ بنیادی حقوق کی تائید وتوثیق کا ذریعہ ہیں۔ مغرب کا ''تصورِ حق'' باطل تصور ہے اس کا تصور عدل اصلاً ظلم ہے ان کی اصلاح محال ہے۔ انھیں مشرف بہ اسلام نہیں کیا جاسکتا۔ مذہبی شخصیات سے یا رسالت مآبؐ سے اگر محبت فروغ پائے گی تو آزادی کی منزل کیسے ملے گی۔ رسالت مآبؐ کی محبت لازماً زہد وتقویٰ نیکی، دنیاداری سے گریز کی تعلیم دے گی تو سرمایہ داری کیسے پنپ سکے گی۔ زہد وتقویٰ سادگی محبت دین سے تعلق آخرت کی جستجو وغیرہ آزادی کی راہ میں رکاوٹ بن کر سرمایہ کی بڑھوتری کے عمل میں سنگین نوعیت کے مسائل کھڑے کردیں گے۔ مغرب کی پوری تاریخ بتاتی ہے کہ روسو والیٹر کی تحریکیں عیسائی کلیسا کو ذلیل ورسوا کرنے کے لیے چلیں۔ اب یہی تحریکیں رسالت مآبؐ کی ہستی کو داغ دار کرنے کے لیے چلائی جارہی ہیں۔ مغرب کی آفاقیت کے دعوؤں کو ہائیڈیگر نے رد کردیا۔

ساحل اپریل ۲۰۰۶ء

پس جدیدیت کے تمام فلاسفہ بھی مغرب کی اقدار، روایات، حتیٰ کہ اس کی سائنس اور ٹیکنالوجی کی آفاقیت کے قائل نہیں۔ امریکہ کا سب سے بڑا فلسفی رچرڈ رارٹی بھی یہی کہتا ہے۔ لیکن ہائیڈیگر سے لے کر رارٹی اور رارٹی سے لے کر تمام پس جدیدیت [پوسٹ ماڈرنسٹ] مفکرین جمہوریت، سرمایہ داری اور مغربی اقدار کا کوئی متبادل تصور نہیں رکھتے۔ لہٰذا وہ مغربی اقدار و نظام کو ہی ناگزیر برائی کے طور پر قبول کرتے ہیں۔ اسی لیے ہائیڈیگر سے لے کر رارٹی تک سرمایہ داری کا رد نہیں ملتا بلکہ سرمایہ دارانہ نظام ہی کی توثیق و تائید ملتی ہے۔

مغرب میں اظہار رائے کی آزادی مطلق ہے، اس مطلق آزادی کے تحت ڈنمارک کے اخبار نے ستمبر میں کارٹون شائع کیے اور جب مسلمانوں کا احتجاج سامنے آیا تو اخبار کے مدیر نے ایک اور پینترا بدلا اور کہا:

We have decided to print an equal number of cartoons satirizing Jesus"

مسلمان اس توہین پر آمادہ ہونے کے بجائے مشتعل ہوئے تو اخبار نے اپنے اقدام کی توجیہہ کے لیے امریکی حمایت سے نئی منصوبہ بندی کی۔

To justify this defamation their editors invoke the right to freedom of speech and expresion.

اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل کوفی عنان نے اس صورت حال پر یہ تبصرہ کیا کہ:

This amounts to licence pouring oil on fire.

لیکن یہ بیان دیتے ہوئے وہ یہ بھول گئے کہ جلتی پر تیل کا کام دینے والے اس رویے کی تاریخی اساس، بنیادی حقوق کے منشور میں موجود ہے اور جب تک یہ منشور جبراً نافذ ہے دنیا میں امن قائم نہیں ہوسکتا۔

ڈنمارک کے اخبار کا یہ موقف سامنے آیا کہ:

The newspaper which published the sacrilegious cartoons says that these "were not intended to be offensive" and that "offending anybody on the grounds of his religious beliefs is unthinkable for us".

سابق صدر کلنٹن نے بیان کیا کہ:

None of us are totally free of stereotypes about people of different races, ethnic groups and religions.

لیکن خاکوں کی مذمت نہیں کی گئی نہ ہی آزادی اظہار رائے کے اصول کی مذمت کی گئی۔ اس مسئلے پر کوفی عنان سے لے کر کلنٹن اور بش ہم آواز ہیں کہ آزادی اظہار رائے کے عقیدے کے خلاف کوئی بیان نہیں دیا جاسکتا۔ یہ ایمانیات کا حصہ ہے۔

امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ترجمان نے تبصرہ کیا:

"These cartoons are indeed offensive to the beliefs of Muslims. Inciting religious or ethnic hatreds in this manner is not acceptable. We call for tolerance and respect for all communities and for their religious beliefs and practices. We all fully recognize and respect freedom of the press and expression but it must be coupled with press responsibility."

سابق امریکی صدر اور امریکی حکومت کے ترجمان نے اصل حقائق چھپانے میں زیادہ دلچسپی لی، حالانکہ بنیادی حقوق کی خالق ایلینا روز ویلٹ اور فیڈرلسٹ پیپر کے مصنفین کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ بنیادی حقوق انسانی کا منشور اصلاً انھوں نے تیار کیا تھا جو امریکی دستور کا حصہ ہے اور بنیادی حقوق اصلاً امریکی دستور کا چربہ ہیں۔ پوری دنیا کو امریکہ کے طور طریقوں پر چلنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔

کارٹون کے مسئلے پر جاری تنازعہ کی لبرل ترجمانی کرتے ہوئے اکثر مسلم مفکرین وصحافی اور مغرب میں آباد جدیدیت پسند مسلم مصلحین نے درج ذیل نقطۂ نظر اختیار کیا ہے:

Laws and rules of social and political behaviour in all societies are ultimately based on some moral norms, one would assume that a civilized society would inculcate among its members sensitivity to each others views and feelings on issues of special significance and the exercise of the right to freedom of expression would be informed by such sensitivity.

In this world of globalization, we are all interconnected one way or the other. Further, the societies in many countries, including the European countries, have become multi-cultural. These developments demand an even greater degree of sensitivity to each other's feelings and views in the interest of social harmony, public order and international understanding than was the case previously.

We must project Islam as a religion of peace, tolerance, moderation and enlightenment as indeed it is while standing firm on our principles and safeguarding our enlightened interests. But this would require the revamping of our societies to put them on the path to progress instead of stagnation, enlightenment instead of obscurantism

and the exercise of our intellectual faculties in finding solutions to the challenges of the modern world instead of closing the doors of Ijtihad. This , however, will not be possible if we continue to accord low priority to education in this knowledge-based world and if our political institutions, instead of being representative in character and responsive to the wishes of our people at large, continue to serve the vested interests of the elite only.

یہ جاہلانہ نقطہ نظر ان جدیدیت پسند مسلم علماء نے پیش کیا ہے جو مغربی فلسفے سے قطعاً ناواقف ہیں۔ انھیں مغربی اصطلاحات کے حقیقی مفہوم کا علم نہیں۔ یہ مغربی فلسفیانہ اصطلاحات پروگریس، نالج، پیس، ٹالرنس، ان لائٹ منٹ، کے معنی نہیں جانتے اور عالم اسلام کو اجتہاد کا سبق دے رہے ہیں۔ ان جہلاء کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اجتہاد کے معنی کیا ہیں؟ اور اجتہاد عوام کا نہیں علماء کا کام ہے۔

کارٹون تنازعہ پر ایک نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ:

The publication of the cartoons almost coincided with the 17th anniversary of the publication of Salman Rushdie's The Satanic Verses. The culture editor of Jyllands Posten (Jutland Post) was well aware of the sensitivities involved and intentionally solicited cartoons, contending that religious feelings there less important than freedom of speech, and that "we must be ready to put up with insults, mockery and ridicule".

If Muslims were being targeted or stereotyped, as they far too often are, it would be another matter, but what was intended here was far, far more significant. "Since it is impossible to abuse directly a God in whom one does not believe, one abuses Him indirectly" (Frithjof Schuon). The cartoons are profane; they mock and ridicule Islam and its Prophet.

بعض مسلم محققین نے مطلق آزادی اظہار رائے کے خلاف مضامین لکھتے ہوئے International Convention on Civil and Political Rights [ICCPR] کا حوالہ دیا ہے جس کے مطابق آزادی اظہار رائے مشروط ہے، مطلق نہیں ہے۔

[1] Due regard to maintainance of public order [2] Health and

morals.

Elimination of all forms of racial discrimination دوسرا حوالہ *[ICERD]* کا دیا گیا ہے جو قدغن عائد کرتا ہے۔

On ideas of Racial superiority, hatred, Speech and incitement to racial hatred

اس بنیاد پر ان مفکرین نے یہ موقف اختیار کیا کہ اس قانون کے تحت تمام ریاستیں اس بات کی پابند ہیں کہ وہ ان عناصر کو سزا دیں جو ان جرائم کے مرتکب ہوں۔

ان دو تنظیموں کے قوانین کی روشنی میں آغا شاہی، تنویر احمد خان جیسے سفارت کاروں اور بے شمار جدیدیت پسند مفکرین نے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ یورپ کی مقامی عدالتوں کے ساتھ یورپین کورٹ آف ہیومن رائٹس سے رجوع کریں۔ ان سادہ لوح حامئین مغرب کو یہ نہیں معلوم Humanity, Human ماڈرن ازم، Enlightenment، سول سوسائٹی اور سولائزڈ سٹیزن کی اصطلاحات کن اقوام اور انسانوں کے لیے ہیں، کیا انھیں یاد نہیں کہ انقرہ یونیورسٹی کی طالبہ کو دوپٹہ پہننے پر جامعہ انقرہ سے خارج کر دیا گیا۔ وہ عالمی عدالت انصاف گئی تو عدالت نے فیصلہ طالبہ کے خلاف دیتے ہوئے لکھا کہ اسلامی لباس سے مذہب کی بو آتی ہے لہٰذا انسانی حقوق کے منشور کے تحت اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ درخواست مسترد کر دی گئی۔ یہی صورت حال فرانس میں درپیش ہوئی۔ اسکارف پہننے پر پابندی عائد ہے۔ عدالت نے طالبہ کا حق تسلیم نہیں کیا اور کہا کہ اسکارف پہننے کی اجازت نہیں، دو فٹ کے کپڑے کا یہ ٹکڑا اسیکولرازم کے لیے خطرہ ہے۔ جرمنی میں بھی اسی صورت حال کا سامنا ہے۔ ان مصلحین کو یہ معلوم نہیں کہ Moral Values اور Religious or traditional values میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ مغربی معاشروں میں صرف moral values کارگر ہیں اور یہی مذہبی اقدار کے راستے میں مزاحم ہیں کیونکہ کسی پیغمبر کا اعزاز، اکرام، مغربی اخلاقی اقدار کے تحت مذہب کی حرمت کا اعلان ہے۔

ICCPR اور ICERD جیسی تنظیموں کے بنائے گئے عالمی قوانین ان کے اطلاق کو obligatory قرار دیتے ہیں۔ Mandatory نہیں، ان قوانین کے تحت نسلی برتری، نفرت انگیز تقریر، امن و امان کی صورت حال کی خرابی، صحت اور اخلاقیات کا تحفظ شامل ہے لیکن اس میں مذہب کہیں موجود نہیں ہے۔ مذہب مغرب میں اخلاقیات کا حصہ نہیں ہے اور مغرب میں آباد مسلمان نسل نہیں سمجھے جاتے۔ یہ امت ہیں، [علی گڑھ یونیورسٹی بل کے سلسلے میں عدالت عظمیٰ ہند نے اپنے فیصلے میں مسلمانوں کے تمام مذہبی فرقوں کو اختلاف کے باوجود فرقہ فرقہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور انھیں ایک امت قرار دیا۔] لہٰذا انھیں ان بنیادوں پر عدالتوں سے کوئی مثبت فیصلہ حاصل نہیں ہوسکتا جس کی توقع آغا شاہی جیسے نادان سفارت کار فرما رہے ہیں۔ مغرب کی زمین پر سفارت کاری کرنا الگ چیز ہے اور مغرب کے فلسفے و فکر سے واقف ہونا دوسری چیز، عالم اسلام میں مغربی

فکر و فلسفے کو سمجھنے، پڑھنے پڑھانے کی کوئی روایت سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ عالم اسلام کی جامعات، دینی مدارس میں بھی مغربی فکر و فلسفہ نہیں پڑھایا جاتا۔ انتہا یہ ہے کہ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں فلسفہ کا شعبہ ہی نہیں ہے۔ علم الکلام میں ضمناً مغربی فلسفے کی تدریس ہوتی ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ جو مغربی فکر و فلسفے کی مبادیات سے بہت عمدہ طریقے سے واقف تھے۔ اور مغرب پر ان کی کتاب ''تنقیحات'' اہم مقام کی حامل ہے۔ انھیں بھی مغربی فلسفے کے خطرات کا اندازہ نہیں تھا۔ مدینہ یونیورسٹی کے لیے مولانا مودودیؒ کے مجوزہ نصاب تدریس میں مغربی فکر و فلسفے اور منطق کو شامل نہیں کیا گیا۔ صرف علم الکلام کے ذیل میں ضمناً مغربی فلسفے کی تعلیم رکھی گئی تھی۔ ندوۃ العلماء میں بھی مغربی فکر و فلسفہ نہیں پڑھایا جاتا۔ جدیدیت پسند مفکر جاوید احمد غامدی جن کا دعویٰ ہے کہ وہ مغرب کو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح اسلام کو اور یہ دعویٰ بے بنیاد دعویٰ ہے انھوں نے لاہور کے نواح میں ۱۹۸۰ء میں درس گاہ قائم کی تو اس کے مجوزہ منصوبے میں کانٹ، ہیگل، مارکس کے سوا کسی مغربی مفکر کو نہیں رکھا گیا جب کہ مغربی فکر و فلسفہ ہائیڈیگر سے لے کر رالز ہیبر ماس اور ڈیلوز تک بے شمار موڑ مڑ چکا ہے اور جدیدیت سے پس جدیدیت میں داخل ہو کر مابعد الطبیعیات کو کالعدم کر رہا ہے۔ پلیٹو کے خلاف محاذ قائم کر دیا گیا ہے۔ استغاثہ یہ ہے کہ اس نے حقیقت کے سوال کو فلسفے میں داخل کر کے پورے مغرب کے لیے مسئلہ پیدا کر دیا ہے لہٰذا حقیقت کچھ نہیں ہے حقیقت تو تخلیق کی جاتی ہے۔ رچرڈ رارٹی کا مکالمہ The future of religion مغربی فکر کے در و بام کی تازہ جھلکیاں دکھاتا ہے۔ [یہ مکالمہ علامہ اقبالؒ کے آخری خطبے Is religion possible کی تردید فلسفیانہ اور عملی بنیادوں پر بیان کرتا ہے۔ سرمایہ دارانہ طرز زندگی میں مذہب کا امکان محال ہے] غامدی صاحب اس سے واقف نہیں۔ ان کے ادارے المورد میں بھی مغربی فلسفے کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں۔ ان کے رسالے اشراق میں مغرب کے فلسفے و فکر پر کوئی تنقیدی مضمون شائع نہ ہوا۔ جب ہمارے اہل علم کا یہ حال ہے تو ان حالات میں سفارت کاروں سے یہ امید رکھنا کہ وہ مغربی فکر و فلسفے سے واقف ہوں گے کارعبث ہے۔

مغرب کی عدالتوں اور اداروں سے توہین رسالت کو رد کرنے کے سلسلے میں چند اور مضبوط دلیلیں بھی دی گئیں ہیں۔ ایک دلیل ملاحظہ کیجیے۔

The Committee on the Elimination of Racial Discrimination (CERD) which monitors implementation of ICERD lays down:

State parties are required "to penalized dissemination of ideas of racial superiority or hatred or incitement to racial hatred. Any advocacy of national, racial or religious hatred that constitutes incitement to discrimination, hostility or violence shall be prohibited by law. (Such penalization) "is compatible with the right to freedom of expression". To satisfy these obligations, state parties have not only to

enact appropriate legislation, but also to ensure that it is effectively enforced. "The citizen's exercise of this right (freedom of expression) carries special duties and responsibilities" (General Recommendation XV of CERD).

اس قانون میں مذہبی دل آزاری کی شکلوں کوملکی قوانین کے ذریعے روکنے کی ہدایت کی گئی ہے۔کیا مغرب کے ممالک رسول اللہ کی توہین روکنے کے لیے قانون بنائیں گے۔مغرب کے بے شمار ملکوں میں حضرت عیسیٰ کی توہین روکنے کے بے شمار قوانین موجود ہیں لیکن گزشتہ پچاس برس میں کبھی ان قوانین کواستعمال نہیں کیا گیا۔مغرب اتنا ترقی کر چکا ہے کہ پیغمبر کی عزت وحرمت ایک لایعنی سوال ہے۔اس مغرب کی زمین پر آغا شاہی صاحب رسالت مآب ؐ کی حرمت کی جنگ لڑنے اور وہاں عدالتوں میں اذانیں دینے کی حکمت عملی بنا رہے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اگر کوئی قانون موجود نہیں ہے تو مذہبی دل آزاری کی عام اجازت ہے۔چونکہ مغرب میں پیغمبر اسلام اور اسلامی تعلیمات کی دل آزاری روکنے کا قانون کسی ملک میں نہیں بنایا گیا لہٰذا وہاں کی عدالتوں سے ان امور میں دادرسی کی خواہش ایک بے ثمر خواہش ہے۔اب دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مسلمان ان ملکوں میں قوانین بنانے کی مہم چلائیں جو محال ہے۔دوسری جانب برطانیہ اور دوسرے ممالک میں جہاں حضرت عیسیٰؑ کی توہین کے خلاف سخت قوانین موجود ہیں۔اس کے باوجود عملاً گزشتہ ۳۰ سال سے یہ قوانین معطل ہیں۔اور ان کے تحت کسی شخص کے خلاف نہ تو مقدمہ درج کیا گیا نہ ہی اسے سزا دی گئی۔عملاً یہ قوانین سردخانے میں پھینک دیے گئے ہیں، ان کی کوئی اہمیت نہیں، اس کی وجہ عیسائیت کی جانب سے شرمناک خاموشی ہے جو مغربی اقدار میں رنگ چکی ہے۔مغربی انسان اور معاشرہ اتنے مہذب ہو چکے ہیں کہ وہ توہین رسالت ؐ جیسے مسائل میں وقت ضائع نہیں کرتے [نعوذ باللہ] اور عملاً یہ قوانین ختم ہو چکے ہیں کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کی توہین پر کلیسا اور عیسائیوں کی طرف سے کوئی احتجاج نہیں ہوتا، رفتہ رفتہ یہ قوانین بھی ختم ہو جائیں گے۔ڈنمارک کے اخبار کے مدیر نے جب یہ عندیہ دیا کہ وہ مسلمانوں کے جذبات سرد کرنے کے لیے حضرت عیسیٰؑ کے بھی بارہ کارٹون شائع کر رہا ہے تو مغرب میں آباد کروڑوں عیسائیوں اور ان کے روحانی پیشوا پوپ پال نے کسی قسم کا ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ڈنمارک اور یورپ کے قوانین کے تحت حضرت عیسیٰ کی توہین کا ارادہ ظاہر کرنے والا قابل دست اندازی پولیس جرم کا مرتکب ہوا، لیکن کسی نے اسے گرفتار نہیں کیا کیونکہ توہین کی کوئی تعریف متعین ہی نہیں ہے۔جس چیز کو آپ توہین سمجھتے ہیں مغرب میں اسے مذاق، تمسخر، پھکڑ پن، گپ شپ سمجھا جاتا ہے اصطلاحات کا تعلق خاص تاریخ، تہذیب، ثقافت سے ہوتا ہے۔مغرب میں بیٹا باپ کو گالی دے دے تو توہین نہیں ہے آزادی اظہار رائے ہے۔مشرق میں یہ بہت بڑی اور شرمناک جسارت ہے۔ یہ رویے تہذیبوں کی مابعد الطبیعیات، وجودیات، کونیات اور علمیات سے پیدا ہوتے ہیں۔اتنے اہم مباحث کو ہم سیاسی اور ہنگامی بنیادوں پر حل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

آغا شاہی نے اپنے مؤقف کے حق میں اپنے تبصرے کے ساتھ یورپی عدالتوں کے جو فیصلے نقل کیے

ہیں وہ درج ذیل ہیں:

"The right of freedom of expression is also applicable to information and ideas that offend, shock, or disturb the State or any sector of the population. Such are the demands of pluralism and tolerance without which there is no "democratic society" (Handyside Case)

In other case - Dichand and others vs Austria, Karatas vs Turkey, Bladet Troms and Stensaas vs Norway, the European Court's rulings have extended journalists' absolute freedom to exaggerate and provoke. Nevertheless the court gave a different judgment in Wingrove vs UK (No 17419/90 Rep 1995 para 58).

"Whereas there is little scope under Article 10(2) for restrictions on political speech or on debate of questions of public interest .. a wider margin of appreciation is generally available to the contracting states when regulating the freedom of expression in relation to matters liable to defend intimate personal convictions within the sphere of morals, or specially religion.."

Similar principles are reflected in Otto Preminger Institute vs Austria in which the court considered that:

... "respect for religious feelings of believers as guaranteed by Article 9 can legitimately be thought to have been violated by provocative portrayals of objects of religious veneration and such portrayals of objects of religious veneration can be regarded as malicious violation of the spirit of tolerance which must also be a feature of a democratic society.."

Strong regard must be had to the religious beliefs of others.

"...The manner in which religious beliefs and doctrines are opposed or denied may engage the responsibility of the state, notably the

responsibility to ensure the peaceful enjoyment of the right guaranteed under Article 9 to the holders of those beliefs and doctrines".

Thus, the court would be entitled to impose on any individual expressing such views (opposing or denying religious beliefs) a positive obligation "to avoid as far as possible expressions which are gratuitously offensive to others".

This approach was followed in Dubowska and Skup vs Poland:

"Violent and provocative portrayals of objects of religious veneration may violate the rights under Article 9. The State is under a positive obligation to protect minorities with strongly held beliefs from attack. It is legitimate for the state to regulate the exercise of any right which interferes with an individual's manifestation of belief. There may be an obligation on the part of the state to secure repect for freedom of religion in the sphere of relations between individuals as well as individuals and public authorities. It is in developing this duty that the (European) Convention may come to play an important part in promoting minority religions in the UK" (the Otto Preminger Case).

Besides this jurisprudence developed by the UN human rights treaty bodies (CERD and HRC) and the Europen Court, laws passed by the parliaments of France, Germany, Austria, Italy and some other countries have made it a crime to deny the Holocaust thus restricting the right to freedom of expression in this regard. Why then is expression of hate against the Holy Prophet permitted to be disseminated unchecked by the governments, legislatures and courts of the countries concerned? Is it because Muslims are considered to be less equal than Christians and Jews?

اس تمام بحث کو سمیٹتے ہوئے آغا شاہی فرماتے ہیں:

If European countries do not curb expression of hate in their

media, tendentious theories of clash of western and Muslim civilizations could become self-fulfilling. Therefore, the imperative of an enlightened moderation must be reflected in the exercise of the right to freedom of expression in the interests of public order, health (HIV/AIDS, Avian flu) and morals (Pornography)

آغا شاہی نے اپنے موقف کے حق میں یورپی عدالتوں کے جن فیصلوں کا حوالہ دیا ہے وہ تمام فیصلے مغربی صحافیوں اور آزادی اظہار کے حامیوں کو رسول اکرم کی توہین کے ارتکاب سے نہیں روک سکتے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یورپ میں توہین رسالت مآبؐ کے ارتکاب کو روکنے کا کوئی قانون موجود نہیں ہے لہٰذا جو چیز قانوناً ممنوع نہ ہو اس کو روکنا عدالتوں کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مغرب میں کبھی توہین رسالت محمد عربیؐ کا قانون نہیں بنے گا کیونکہ رسالت محمدی سرمایہ داری کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، لہٰذا قانونی جدوجہد مغرب کی سرزمین پر ناکام رہے گی۔ ماضی میں کئی تجربے ہو چکے ہیں۔ صحت اور اخلاقی اقدار کے سلسلے میں آغا شاہی صاحب نے وضاحت فرما دی ہے کہ اس سے مراد H.IV/Aids Avian flu اور Pornography ہے۔ پورنوگرافی کے مسئلے پر امریکی سپریم کورٹ یہ فیصلہ دے چکا ہے کہ یہ آزادی اظہار کا حصہ ہے اس پر قدغن عائد نہیں کی جا سکتی۔ مغربی اقدار روایات کے تحت جب پورنوگرافی حلال ہے تو رسالت مآبؐ کی بے حرمتی میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے؟ [نعوذ باللہ]

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ اگر مسلمان یورپی عدالتوں سے رجوع کریں تو آغا شاہی صاحب نے جن مقدمات کے فیصلوں کا حوالہ دیا ہے۔ اس کے تحت عدالتیں سب سے پہلے قرآن اور احادیث کی تقسیم، ترسیل، اشاعت، تعلیم اور تدریس پر پورے یورپ میں پابندی عائد کر دیں گی۔ کیونکہ قرآن سنت دنیا کو کفر و اسلام کے دو دائروں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایمان والوں کو جنت کی بشارت دیتے ہیں اور کفر اختیار کرنے والوں کو دنیا میں دردناک سزا کی خوشخبری کے ساتھ ساتھ آخرت میں ہولناک عذاب کا یقین دلاتے ہیں۔ پیغمبرؐ مبشر بھی ہیں اور نذیر بھی بشارت ایمان والوں کے لیے اور عذاب کفار کے لیے لہٰذا یورپی قوانین کے تحت فوری طور پر قرآن و سنت کی تعلیم ممنوع قرار پائے گی۔ بے چارے آغا شاہی کو فلسفۂ مغرب کی ان باریکیوں، نزاکتوں اور پیچیدگیوں کا اندازہ ہی نہیں ہے۔ انھیں یہ معلوم نہیں کہ Tolerance، Equality، Freedom، Moderation، Enlightenment اور Rights کی اصطلاحات کے تحت مسلمان اسلام اور عالم اسلام کی مغرب میں کوئی گنجائش نہیں۔ انھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ انسانی حقوق (ہیومین رائٹس) منشور میں جس Citizen کے حقوق کی بات کی گئی ہے مسلمان Citizen کی اس تعریف پر پورے نہیں اترتے۔ Citizen ہمیشہ Sovereign ہوتا ہے کوئی مسلمان Sovereign نہیں ہو سکتا وہ عبد ہو سکتا ہے بندہ ہو سکتا ہے لیکن Sovereign نہیں ہو سکتا۔

کارٹونوں کی اشاعت کے بعد مغرب میں اسلام کے خلاف صلیبی جنگوں [Crusades] اور

ہسپانوی [Reconquista] جیسی صورت کیوں پیدا ہوگئی؟ یہ صورت حال ان ملکوں کی جانب سے کیوں پیدا کی گئی جو Nordic Countries کہلاتے ہیں اور جن ممالک کے بارے میں مغرب کا دعویٰ ہے کہ یورپ کی سب سے زیادہ روشن خیال مہذب قومیں یہی ممالک ہیں۔ لہٰذا مسلمان مفکرین میں یہ سوال بار بار اٹھا کہ اتنے مہذب روشن خیال لوگ ایسے جرم کا ارتکاب کیوں کر رہے ہیں جب کہ انھیں یہ معلوم ہی نہیں کہ جو کچھ کیا جا رہا ہے یہ روشن خیالی اور سولائزیشن کا لازمی اثر ہے جو جتنا زیادہ روشن خیال اور مہذب ہوگا وہ مذہب، مذہبی تہذیبوں اور خصوصاً اسلامی تہذیب و تاریخ کا سب سے بڑا دشمن ہوگا۔ روشن خیالی اور مذہب ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ روشن خیالی کی بنیاد مذہب کے ملبے پر رکھی گئی ہے لیکن ہمارے مفکرین کو مغربی فکر و فلسفے کی باریکیوں، نزاکتوں اور گمراہیوں کا اندازہ ہی نہیں ہے۔

مسلمانوں نے صدیوں تک مغرب میں رہنے، مغربی اداروں میں تعلیم پانے، مغربی اقدار و روایات کو عملاً قبول کرنے کے باوجود دل سے اسلامی اقدار و روایات کو فراموش نہیں کیا۔ وہ مغربی معاشروں میں تحلیل نہیں ہوئے، ضم نہیں ہوئے، ایک نہ ہو سکے وہ الگ تھلگ ہی رہے، اجنبی رہے اور آزادی کے اس ماحول میں شدید گھٹن محسوس کرتے رہے۔ انھیں آرام اور سایہ ہمیشہ محمد عربیؐ کے وجود اور ان کے ذکر سے میسر آیا۔ مغرب اور اسلام میں یہی بنیادی فرق ہے جس کے باعث مغرب ہمیں بنیاد پرست کہتا ہے۔

جرمنی، اٹلی، آسٹریلیا، بلجیم، فرانس میں بہت سی سیاسی جماعتیں مذہبی اور نسلی تفاخر کی بنیاد پر عوام میں تیزی سے مقبولیت حاصل کر رہی ہیں اور انھیں انتخابات میں بھی زبردست کامیابی مل رہی ہے۔ کیا نسلی اور مذہبی نفرت کی بنیاد پر کامیاب ہونے والی ان جماعتوں کو آغا شاہی کے بیان کردہ طریقے سے اقتدار میں آنے سے روکا جا سکتا ہے۔ کیا عدالتوں میں اتنی ہمت ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں کا خیر مقدم کرنے سے انکار کر دیں اور ان کے انتخابات کالعدم قرار دے دیں؟ کیا مغرب کے عوام اسے قبول کر لیں گے؟ جب مغرب کی عدالتیں اور مغرب کے قوانین نسل پرستوں کو انتخابی عمل میں شرکت اور اقتدار پر قبضے سے نہیں روک سکتے تو وہ ایک اجنبی مذہب اور تاریخی طور پر اپنے دشمن اور حریف مذہب اسلام کی روایات و اقدار کے تحفظ کے لیے کیا کارروائی کر سکیں گے؟'']

فرانس میں اس کی مثال فرنچ نیشنل فرنٹ ہے۔ جرمنی کا چانسلر کرسچین ڈیموکریٹ پارٹی سے ہے۔ ڈنمارک میں نسلی جماعت پیپلز پارٹی کی حمایت حاصل کرنے کے لیے ڈنمارک کے وزیر اعظم Anders Fogh Rasmussen نے مسلم ممالک کے سفراء سے ملاقات سے انکار کر دیا تھا۔

مغربی حکمت عملی کے سلسلے میں جدیدیت پسند مسلمان مفکر طارق رمضان کے یہ جملے اہم ہیں کہ:

"To be an American Muslim critical of American policy in the middle East you are treated as if you are not truely loyal to your country".

ڈنمارک کے اخبار سے اظہار یکجہتی کے لیے جرمنی کے Dievelt اور فرانس کے Le Monde

اور Liberation جیسے سنجیدہ اخبارات نے بھی اس مہم جوئی میں بھرپور حصہ لیا۔

ڈنمارک کے اخبارات نے اندلس میں عیسائی جانبازوں Christian Martyrs کی تاریخ دہرانے کی کوشش ہے جو سر سے کفن باندھ کر توہین رسالت کا ارتکاب کرنے کے لیے جوق در جوق چلے آئے تھے۔ تاریخ کے مطابق:

These Martyrs invaded every available public space, the mosques and even the Sultan's court to insult the religion of the Muslim and blaspheme their Prophet with the deliberate intention of incurring the penatly of death.

تاریخ کے مطابق:

Very often the Muslim rulers were reluctant to punish them and would try to ignore the offence by arguing that the frars were unbalanced in mind because of poverty and fasting." The zealots however insisted on repeating their blasphemies till attainment of martyrdom.

[واضح رہے کہ مقتدر قوت کے لیے حالات و زمانہ کی رعایت سے تحمل کی روایت مسئلہ قضا بن جاتا ہے لیکن اس وقت مسلمان مقتدر قوت نہیں ہیں]

ہسپانوی جانباز تاریخ سے رخصت ہوگئے لیکن ان کا رجز پڑھنے والے برنارڈ لیوس آج بھی زندہ ہیں۔ اس رجز کی لے کو بلند کرنے والوں میں Dick Cheney اور Richard Perel بھی شامل ہیں۔ مشرق وسطیٰ کا جو نقشہ آج ترتیب دیا جا رہا ہے یہ وہی نقشہ ہے جو برنارڈ لیوس نے سالہا سال کے تحقیقی کام سے اخذ کیا تھا۔ *The wall street Journal* نے لکھا ہے کہ:

Lewis doctrine has become the US policy.

برنارڈ لیوس اور ہنٹنگٹن جو موجودہ امریکی خارجہ پالیسی کے بنیادی پتھر ہیں تہذیبوں کے تصادم پر آخری حد تک یقین رکھتے ہیں اور تصادم کی اس جنگ میں سبقت حاصل کرنے کے لیے افغانستان اور عراق پر حملہ آور ہو چکے ہیں۔ صلیبی جنگ کا یہ دائرہ دن بہ دن وسیع ہو رہا ہے۔

عالم اسلام کے مفکرین کا حال آپ کے سامنے ہے لیکن عالم اسلام کے قانون دانوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ بے چارے بنیادی حقوق کے فلسفے کو اسلام سمجھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ مغرب بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کر رہے ہیں جب کہ مغرب توہین رسالت پر اس لیے مصر ہے کہ یہی بنیادی حقوق کا فلسفہ ہے۔ توہین رسالت کے ضمن میں سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن اور سندھ ہائی کورٹ بار ایسوسی کی قرار دادیں اور جلوس بھی اس

تدبر وتفکر سے خالی تھیں جن کی امید وکلاء سے بجا طور پر کی جاسکتی تھی یہ وکلاء جو بنیادی حقوق انسانی کے فلسفے کے ذریعے اپنے کاروبار میں جوش وخروش کا عنصر پیدا کرتے ہیں اس فلسفے کی تہہ تک پہنچنے میں ناکام رہے اور ڈنمارک کے اخبار کی قبیح حرکت کو بنیادی حقوق کی خلاف ورزی قرار دیتے رہے۔ ان کی نظر میں آئین پاکستان کی شق نمبر ۱۹ ہے جس میں آزادی اظہار رائے کو مذہبی اقدار وعقائد سے مشروط کیا گیا ہے جبکہ اقوام متحدہ کے جاری کردہ اور منظور کردہ منشور میں نہ کوئی If ہے نہ But یہ منشور مطلق [absolute] آزادی کا قائل ہے اور کسی تحدید کی بات نہیں کرتا سندھ ہائی کورٹ بار کے صدر نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

On the one hand western countries claim to be advanced and civilized nations and on the other, they indulge in such most uncivilized and immoral practices and justify the same as freedom of expression.

الیاس خان اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ مغربی فکر وفلسفے میں سولائزڈ کس کو کہا جاتا ہے؟ مغرب کی نظر میں سولائزڈ لوگ صرف وہ ہیں جو علوم نقلیہ پر ایمان نہیں رکھتے اور عقل کو ذریعہ علم کے طور پر قبول کرکے تمام خارجی ذرائع علم کا انکار کردیتے ہیں لہٰذا ان کے فلسفے کے تحت تمام عالم اسلام Uncivilized ہے اور تمام مغرب سولائزڈ۔ عالم اسلام کا ردعمل مغرب کی نظر میں اجہل گنوار لوگوں کا ردعمل ہے اور اس ردعمل کو وہ Tolerance اور Equality کے خلاف سمجھتے ہیں اور بالکل درست سمجھتے ہیں کیونکہ مغرب میں ان اصطلاحات کا یہی مطلب ہے کہ سب برابر ہیں، حق کوئی نہیں ہر ایک کا اپنا تصور حق ہے اور ہر تصور اس وقت تک درست ہے جب تک وہ مغرب کے مقررہ مقاصد اجتماعی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔

جدید آدمی مغربی فکر وفلسفے کی اصطلاح میں وہ آدمی ہے جو علم کا ماخذ صرف اور صرف اپنے عقل وجدان، حواس اور حسی تجربات کو سمجھتا ہے، جو کسی مقتدرہ سے اور کسی خارجی ذریعے سے علم کے حصول پر یقین نہیں رکھتا۔ ماڈرن مین وہ شخص ہے جو سب کچھ کرنے کی اہلیت رکھتا ہو، فلسفے کے الفاظ میں To be able to do what he wants to do. مذہبی تہذیبوں میں اس طرح کا انسان پیدا ہونا ممکن نہیں ہے۔ کسی بھی مذہب پر یقین رکھنے والا خواہشاتِ نفس کو اپنا الٰہ نہیں بنا سکتا۔ مغربی تہذیب وفلسفہ خواہشات نفس کے الٰہ کی پرستش کا نام ہے جسے قرآن نے شرک قرار دیا ہے مغربی تہذیب خواہش نفس کی خدائی کی دعویدار ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہر وہ شخص جو اپنی ذات، عقل، وجدان، جبلتوں، حواس اور تجربات کے بجائے کسی الہامی کتاب، الہامی شخصیت یا خارجی ذریعے سے علم اخذ کرتا ہے۔ مغربی فکر وفلسفے اور تہذیب میں وہ شخص ماڈرن مین نہیں جاہل ہے، وحشی ہے، گنوار ہے، وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں اس لیے فوکالٹ لکھتا ہے کہ انسان تو ۱۷۸۶ء یعنی اٹھارہویں صدی میں پیدا ہوا ہے، اس سے پہلے زمین پر بسنے والے انسان نہیں تھے، دوسرے معنی میں انبیاء بھی انسان کہلانے کے مستحق نہیں۔ کوئی مذہبی تہذیب اس طرح کے انسان کو برداشت نہیں کرسکتی جو آزادی کا طلب گار ہے اور خواہشات نفس کو الٰہ بنانا چاہتا ہے اور اسلام بھی لے آیا ہے وہ مرتد ہے اور اسلامی تہذیب ایسے شخص کو زندہ رہنے کا حق نہیں

دیتی۔ سترہویں صدی سے پہلے کے اربوں انسانوں کو انسان ماننے سے انکار کرنے کا سبب یہ ہے کہ سترہویں صدی سے پہلے تاریخ میں کوئی ایسی تہذیب نہیں گزری جو آخرت، زندگی بعد الموت، خارجی ذرائع علم، ملائکہ یا روحانیت کا سراسر انکار کرتی ہو، صرف اور صرف خواہش نفس کی پرستش، شکم اور شہوت کی پوجا اور سرمایہ کمانے کو انسان کا پہلا اور آخری مقصد زندگی سمجھتی ہو، اور الوہیت انسان کی قائل ہو اور انسان کو خدا سمجھتی ہو تمام تہذیبیں عبدیت کا تصور رکھتی تھیں۔ خواہ وہ ناقص ترین تصور ہی کیوں نہ ہو۔ سترہویں صدی سے پہلے ہر تہذیب مافوق الفطرت ہستی پر یقین رکھتی تھی اور اس کائنات کے پس پشت ایک اور کائنات کی قائل تھی۔ ہر تہذیب وراء الوراء کی قائل تھی۔ سترہویں صدی کے بعد کا مغربی انسان اس تصور کا قائل نہیں رہا لہٰذا یہ جدید انسان ہے، اسی طرز زندگی فلسفہ حیات کا نام ماڈرن ازم ہے۔ ماڈرن ازم خود کیا ہے؟ مغربی فلاسفہ کی نظر میں ماڈرن ازم کی تعریفات درج ذیل ہیں:

Modernity is not based upon one single principle.... it is the result of a dialogue between reason and subjectivity.

[Alain Touraine, Critique of Modernity, Dr. David Macey. Cambridge Balckwell, 1995]

This cleavage between reason, rationality, or objectivity on the one hand, and the subject, the collective and individual selfhood; or subjectivity on the other, occurs in the aftermath of the decline of a concept of transcendence that shaped the metaphysical worldview of Christianity.

[Cornelia Klinger, From Freedom without choice to choice without Freedom, The Trajectiory of the Modern Subject, 2004 Blackwell Publishing (Ltd.)]

Losing hold in traditional religion as a consequence of secularization; the subject is forced to take up the god-like position of a transcendental nodal point in order to ensure the unity and totality of being and experience.

[cornelia ... from freedom without choice to choice without Freedom , The Trajectory of the Modern subject, 2004 Blackwell Publishing (Ltd.)]

To be autonomous is to be free in the sense of self governing and

independent......

(ROUTLEDGE ENCYCLOPEDIA OF PHILOSOPHY)

This enlightenment requires nothing but freedom and the most innocent of all that may be called "freedom": freedom to make public use of one's reason in all matters.

Kant in fact describes Enlightenment as the moment when humanity is going to put its own reason to use, without subjecting itself to any authority.

[Michel Foucault: What is Enlightenment?]

Modernity can and will no longer borrow the criteria by which it takes its orientation from the models supplied by another epoch; it has to create its normativity out of itself. (Page 7).

[Jurgen Habermas: The Philosophical Discourse of Modernity.]

Hebarmas: [Definition of Modernity]

Modernity can and will no longer borrow the criteria by which it takes its orientation from the models supplied by another epoch: it has to create its own normatively out of itself.

Cassirer Ernst, Philosophy of enlightenment

The Enlightement does not take the ideal of this mode of thinking from the philosoplical doctrines of the past, on the coutrary, it construct its ideal according to the model and pattern of contemporary natural science.

In this age reason and science considered the highest faculty of man.

What we know through reason, we do behold "in God". Every act of reason means participation in the divine nature.

Pope: "The proper study of mankind is man".

Hebarmas:

Western instrumental reason is embodied in modern technology.

A/C to Nietzile: "Transformation in the cultural role of science occurs not as an effect of any development in philosophy but with cultural decline of western religion.

Relation Revolution

By denying God from epistemology and ethics Kant broke that link between epistemology and God, which was still found in Descartes in particular and in classical thought in general.

Richer (Kants Wellanchauung "The moral freedom of man is not merely a freedom from nature, but also freedom from external supernatural powers. No one before Kant ever exalted man so much no one had ever accorded him such a degree of metaphysical independence".

Enlightenment Wake [John Gray]

One of the central elements of this modernist world view is a conception of science as the supremely privileged form of knowledge (P-158)

The conception of natural world as an object of human exploitation, and of humankind as the master of nature is the most important element of modern world view.

The proper relations of human with the natural world are relations of domination and exploitation.

مغرب نے مذہب کو رد کرنے کے بعد سیاسی نظام اور نظام زندگی کے لیے اخلاقیات پر مبنی چند ضابطے ترتیب دیے جو moral norms کہلاتے ہیں یہ moral صرف ان کے لیے ہیں جو سولائزڈ لوگ ہیں سولائزڈ لوگ وہ ہیں جو کسی خارجی ذریعہ علم سے علم حاصل نہیں کرتے اور عقل کو ماخذ علم تسلیم کرتے ہیں اور کسی اتھارٹی کو اتھارٹی تسلیم نہیں کرتے یہی لوگ مغرب میں Human کہلاتے ہیں۔ بنیادی حقوق انسانی Human Rights صرف انہی انسانوں کے لیے ہیں Human کون ہیں یہ وہ ہیں جو Enlightened ہیں جو Modern ہیں اور روشن خیال اور جدیدیت پسند ماڈرن وہ ہیں جو وحی الٰہی یا کسی بھی خارجی ذریعہ علم کو اتھارٹی ماننے سے انکار کردیں۔ لہٰذا بنیادی حقوق کے منشور میں دیے گئے تمام حقوق صرف ان انسانوں کے لیے ہے جو مغرب کے تصور انسان، تصور عقل، تصور آزادی، تصور مساوات پر یقین رکھتے ہیں اور اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو آپ انسان کہلانے کے مستحق نہیں لہٰذا Rawls کے الفاظ میں ایسے وحشیوں کو اس طرح مٹا دیا جائے جس طرح

ملیریا کے جراثیم ختم کیے جاتے ہیں اور وباء کو ختم کرتے ہوئے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کون سا طریقہ اختیار کیا جائے بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کون سا طریقہ سب سے زیادہ موثر ہے لہٰذا افغانستان اور عراق میں وبا اسی جدید سولائزڈ طریقے سے ختم کی جارہی ہے۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام اور مسلمانوں سے نفرت مغرب کی تاریخ میں پیوست ہے یہ تاریخ صلیبی جنگوں میں اپنی اساس رکھتی ہے لیکن عیسائیت کے خاتمے کے باوجود اسلام اور مسلمانوں سے اس نفرت کا خاتمہ نہ ہوسکا اور یہ تاریخی نفرت جدیدیت پسند مغربی مفکرین و فلاسفہ میں نہایت شدت کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے جدیدیت پسند مغرب مذہب کی کسی شکل کا قائل نہیں لیکن اسلام کا تصور اسے سب سے زیادہ ناگوار ہے۔

اس کی واحد وجہ اسلام کا تصور سیاست و ریاست ہے جسے مغرب بار بار Political Islam کے نام سے مطعون کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسلام اپنی سرشت میں ریاست کا داعی ہے کیوں کہ اسلامی قوانین، حدود، تعزیرات کا اطلاق ریاستی ڈھانچے کے بغیر ممکن نہیں ہے لہٰذا راسخ العقیدہ اسلام جہاں بھی موجود ہے خواہ اپنے چہرے پر جدیدیت کے کتنے ہی نقاب ڈالے اصلاً وہ اسلام کے لیے ریاست کا طالب ہے شریعت کا کامل نفاذ اور شریعت کی کامل پابندی کا تصور ریاست اور حکومت کے بغیر ناممکن ہے۔ ریاست کے بغیر شریعت پر عمل درآمد میں اور اس کی تنفیذ میں بے شمار موانع درپیش ہوتے ہیں۔ لہٰذا اسلام جہاں جہاں اور جس جس شکل میں بھی موجود ہے آخرکار وہ سیاسی غلبے اور ریاستی تسلط کا پیغام بر بن جاتا ہے جبکہ ہندومت، عیسائیت، یہودیت میں مذہب ریاست کے بغیر قابلِ عمل ہے لیکن اسلامی طرز زندگی اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک وہ نجی خانے سے ریاستی بالا خانے تک منتقل نہ ہو۔ اسلام نجی اور عوامی Public اور Private دائروں کی تقسیم روا نہیں رکھتا یہاں ایک ہی دائرہ ہے زندگی ایک ہی دائرہ کا سفر ہے جو خاندان کی ریاست سے شروع ہوکر حکومت و ریاست کے ایوانوں میں اپنے عروج کو پہنچتی ہے اس کے بغیر اسلامی زندگی کا تصور ممکن نہیں، ایک مسلمان غلام نہیں رہ سکتا کیوں کہ غلامی شریعت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس تصور سیاست حاکمیت اور ریاست کو مغرب کسی صورت قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔ اسے اس تصور سے نفرت ہے۔ بنیادی حقوق انسانی مذاہب سے نفرت کا اظہار ہیں اور عالمی استعماری طاقتوں کی اسلام کے خلاف نئی صف بندی اور خاکوں کے ذریعے پیغمبرؐ کی توہین اس صف بندی کی طاقت، مرکزیت کا اظہار ہے۔ توہین رسالتؐ کے سلسلے کو اقوام متحدہ کے ایجنڈے پر نہیں رکھا گیا نہ آزادی اظہار رائے کے اصول پر کسی ملک نے نقد کیا صرف ہمدردی کے بیانات پر اکتفا کیا گیا اس کی کیا وجوہات ہیں؟ اس نفرت کی تاریخ پڑھنے کے لیے مغربی مفکرین کی اسلام اور مسلمانوں سے نفرت کی چند مثالیں ملاحظہ کیجیے۔

Tomaz Mastnak in his essay entitled "Europe and the Muslims" in "The New Crusades", after pointing out that the crusades were the war of Christendom against the Muslims, adds that following the capture of Constantinople by the Ottomans in 1453, "Animosity towards

the Muslims was adopted and regenerated by Western Christians when they began their transformation into Europeans in response to the Ottoman conquests in geographical Europe, western Christians were able to draw on the existing hostility towards the Muslims to invoke a sense of unity and community... The Europenas' hostility towards the Muslims, far from having been made obsolete, continued to play a prominent role in European politics and imagination. Indeed, what we may call the crusading spiri, the epitome of that fundamentalist anti-Muslim attitude, appears to be still alive in our own days".

Duke of Sully کا "Grand Design" کیا تھا۔ چرچل نے اس منصوبے کے بارے میں کیا اظہار خیال کیا تھا؟

Erasmus of Rotterdam, an influential Renaissance scholar, regarded the Turks as barbarians, calling them monstrous beasts, enemies of Church, and a people contaminated with all kinds of crime and ignorance. Thomas More shared Erasmus's views and considered the Turks as an "abominable sect" of Christ's mortal enemies. The atrocities committed against the Muslims in Spain following the fall of Granada again reflected the deep-seated European animosity towards the Muslims. Voltaire, the very symbol of the Enlightenment, wrote that the Turks were the greatest curse on the earth and wanted to annihilate them.

Some scholars hold the view that the project for European unity was initially inspired by the desire to attain peace in Europe with the objective of driving the Turks out of the continent. The Duke of Sully (1560-1640) in his "Grand Design" presented a plan for European unity and peace for converting "the continual wars among its several princes into a perpetual war against the Infidels", that is, a permanent crusade. At the Hague Conference of 1948, which was an important overture to

the postwar unification of Europe, Churchill linked the idea of United Europe to Sully's Grand Design.

بوسنیا میں مسلمانوں کے قتل عام پر فرانس اور برطانیہ کا ردعمل کیا تھا؟ فرانسیسی سفارت کار نے نیویارکر کو انٹرویو دیتے ہوئے کیا یہ نہیں کہا تھا کہ ہمارے مفادات سربوں سے وابستہ ہیں انتہائی قربت کے ساتھ۔

It is not secret that Britain and France under Prime Minister John Major and President Francois Mitterrand respectively felt open contempt and animus toward the Bosnian Muslims who were subjected to genocide by the Serbs. A French diplomat told John Newhouse of the New Yorker at the time that the Europeans "want to prevent a wider war or the emergence of a rump Muslim state in southeastern Europe... Our interests are much closer to the Serbs than you think. We worry more about the Muslims than about the Serbs." It has also been alleged that the American and Anglo-French decision to cover up the Serbian genocide of the Bosnian Muslims in the spring and summer of 1992 greatly encouraged Belgrade to expand and speed up its genocidal onslaught.

ہنگٹن کے امریکی منصوبے ''تہذیبوں کے تصادم'' میں مسلم دشمنی واضح طور پر ظہور کرتی ہے جو مسلمانوں کو نہیں بلکہ اسلام کو ایک خطرہ بتاتا ہے کیونکہ اسلام ریاست کا طالب ہے جو مغرب کی حریف ہوسکتی ہے۔ یہ اسلام ہی ہے جو الحق کا دعویٰ رکھتا ہے اور اپنے دین کو سب پر برتر و افضل سمجھتا ہے۔ لہٰذا مغرب اسلام کو اپنا براہ راست حریف اصل دشمن اور شدید خطرہ تصور کرتا ہے۔

The anti-Islam bias is vividly reflected in the thesis of clash of civilizations presented by Samuel P. Huntington, who in his book entitled The Clash of Civilizations and the Remaking of World Order stresses that "The underlying problem for the West in not Islamic fundamentalism. It is Islam, a different civilization whose people are convinced of the superiority of their culture and are obsessed with the

inferiority of their power. He goes on to claim that "Muslim bellicosity and violence are late-twentieth-century facts which neither Muslims nor non-Muslims can deny".

عالم اسلام سے مغرب کو کیا خطرہ ہے؟ اس کی ضمنی تشریح کرتے ہوئے ایک سفارت کار تحریر کرتے ہیں:

There is also a view among some American scholars, specially the neo-cons led by Irving Kristol, that following the defeat of communism, the West needs a new enemy to save it from the decadence that liberalism is generating. Opposition to Islam, in their view, is accordingly a means of rescuing the West from this decadence and providing it with a renewal of self identity and purpose. This view may also explain the tendency among the US neo-cons to demonize Islam and hold it responsible for the menace of terrorism forgetting the menifestations of terrorism within western societies [e.g.Oklahoma]

ڈنمارک میں اظہار رائے کی مطلق آزادی کے اصول کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ تعزیراتی قوانین کی دفعہ ۱۴۰ اس بات پر واضح قدغن عائد کرتی ہے۔ لہٰذا بعض سادہ لوح مسلمان مفکرین نے اس قانون کی دہائی دی ہے۔ انھیں یہ معلوم نہیں کہ یہ قانون محمد عربی کے لیے نہیں ہے یہ سرمایہ داری کے تحفظ کے لیے ہے۔ اس کی تفصیل شروع میں ملاحظہ کیجیے۔

Incidentally, there is no absolute freedom of expression in Denmark, Section 140 of the Criminal Code prohibits any person from publicly ridiculing or insulting the dogmas of worship of any lawfully existing religious community in Denmark. Section 266(b) criminalises the dissemination of statements or other information by which a group of people are threatened, insulted or degraded on account of their religion. However, the Regional Public Prosecutor decided to discontinue the police investigation as he found no basis for concluding that the cartoons constituted a criminal offence.

He stated that in assessing what constitutes an offence, the right to freedom of speech must be taken into consideration. In other words, the Danish government elected not to apply the law in this case.

قاضی فیض عیسیٰ نے اپنے مضمون میں عجیب بات لکھی ہے:

The drawings were commissioned by the Jutland Post. This was done to accompany an article on self-censorship which was written because a writer was unable to find artists willing to illustrate his children's book with depictions of the Prophet. As the newspaper stated, this was to make the point that "we are on our way to a slippery slope where no one can tell how the self-censorship will end." The right to insult, coupled with self-righteousness; humanitarianism of the 'Brave New World'.

"When humanitarianism is no more than the expression of an over-valuation of the human at the expense of the Divine, or of the crude fact at the expense of the truth, it cannot possibly be counted as a positive acquisition. It is easy to criticize the 'fanaticism' of our ancestors when one has lost the very notion of a truth that brings salvation or to be tolerant' when one despises religion" (Frithjof Schuon)

The Failure of Political Islam کے مصنف Olivier Roy نے بہت عمدہ بات لکھی ہے:

The 'god' of free expression ruling over "a world culture of consumption and communication, a culture that is secular, atheist, and ultimately empty; it has no values or strategies. It is a code not a civilization" ('The Failure of Political Islam'. Olivier Roy).

اس نقطۂ نظر پر تبصرہ کرتے ہوئے قاضی فیض عیسیٰ نے بہت عمدہ تبصرہ لکھا ہے:

A culture of free and insulting speech and expression idolized, receiving abject obeisance.

The primary attestation of Truth (shahadah), that, "There is no god but God" (La ilaha illa-Allah) is ever relevant. In the days of Prophet Mohammad, the deities adorning the altar were made of clay and stone but the demigods of today are far more insidious; freedom of expression veiling the profane right to insult.

لاطینی امریکی ملک وینیز ویلا کے صدر Hugo Chavez نے صدر بش پر تنقید کرتے ہوئے عجیب عجیب باتیں بہ بانگ دہل کہی ہیں۔ اس تنقید پر لاس اینجلس ٹائمز کے Niall Fergusan کا تبصرہ یہ ہے۔ یہ تبصرہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اگر سوڈان یا ترکی جذبات میں امریکی صدر یا اسرائیل کے خلاف کچھ کہہ دیں تو قابل گردن زدنی ہیں لیکن لاطینی امریکہ کا صدر اس سے زیادہ شدید الفاظ استعمال کرے تو بھی قابل معانی ہے کیونکہ بہر حال وہ قرآن اور محمد عربی کو نہیں مانتا اسی کا نام تہذیبوں کا تصادم ہے۔

Only last week, Chavez declared:

"The imperialist, genocidal, fascist attitude of the US president has no limits. I think Hitler would be like a suckling baby next to George W. Bush." Now if Chavez were a Muslim leader, this would be front-page news. But because he says it in Spanish, everyone yawns. Come on folks. It's just over 2,000 miles from Washingotn to Caracas. It's nearly 7,000 miles to Kabul. And Chavez is sitting on top of 6.5 per cent of the world's proven oil reserves.

افسوس امت مسلمہ، اس کے دانشور، مفکرین تہذیبوں کے تصادم کے اس خونی مرحلے میں غفلت کی نیند سو رہے ہیں۔ مغرب کو جاننے، پہچاننے، سمجھنے، پرکھنے کا ایک سنہری موقع توہین آمیز خاکوں کے ذریعے میسر آیا تھا لیکن ہم اس شر میں موجود خیر کی تلاش نہ کر سکے۔ مغرب یعنی کفر کو جاننا اور سمجھنا اس وقت ہماری بقاء کا معاملہ ہے۔